افریقیہ میں اسلام کا ماضی

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۳)

الحاج عمر کبا ۱۸۳۸ء میں "فوتا" کے حکمران خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت کا ظہور ہوا۔ یہ الحاج عمر کبا تھے جنہوں نے مغربی سوڈان کی تاریخ میں نہایت زبردست کردار ادا کیا ہے۔ یہ قبیلہ ٹکویر کے ایک مرابطی شیخ کے گھر ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ یہ قبیلہ دریائے سینی گال کے بائیں کنارے ڈیمار کے علاقہ میں بستا تھا۔ تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ ۱۸۲۷ء میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینۃ النبیؐ سے مشرف ہوئے۔ ازہر میں کچھ عرصہ تک قیام کیا۔ ۱۸۳۳ء میں برنو (چاڈ، گابون اور فرنچ سوڈان) گئے۔ وہاں سے ہوسا قبائل میں داخل ہوئے۔ اس پورے سفر میں انہوں نے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور لوگوں کو عقیدۂ سلف کی دعوت دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فرانسیسی استعمار سینی گال پر قابض ہو کر سوڈان کے اندرونی علاقوں میں بڑھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ موصوف نے وہاں سے فوتا گالون (گنیا) کا رُخ کیا۔ فوتا گالون میں ایک رباط قائم کی۔ جو عبادت کا مرکز بھی تھی اور اسلامی علوم کا مدرسہ، تجارتی سرگرمیوں کا مرکز اور جہاد کی تیاریوں کی تربیت گاہ بھی۔ الحاج عمر کبا کی سلفی دعوت اور تحریکِ توحید سے خلقِ کثیر متاثر ہوئی اور ایک بہت بڑی جماعت اُن کے گرد جمع ہو گئی۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور حالات کا اندازہ لگا کر جدید ترین اسلحہ کا استعمال بھی سیکھا۔ یہ اسلحہ وہ یورپی تاجروں سے خریدتے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں الحاج عمر کی تحریک نقطۂ عروج پر تھی۔ چنانچہ انہوں نے فوتا گالون کے شہر ڈنگیوری (DINGUIRAY) میں جو نیجر کے شمال میں تھا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا اور سوڈان کی بُت پرست مملکتوں کے خلاف

اعلان جہاد کر دیا۔

الحاج عمر کبا نے بمبارا کے بُت پرست قبائل کو شکست دی اور کوناکری (فرنچ گینیا) کو فتح کر لیا۔ ۱۸۵۴ء میں انہوں نے نیور و (بالائی سینی گال کا فرنچ سوڈان سے ملتا ہوا علاقہ) کو اپنا جنرل ہیڈ کوارٹر بنایا اور دریائے سینی گال کے طاس کے علاقوں کو اپنی دعوت کے لیے منتخب کیا۔ مگر ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۹ء میں فرانس کی سرگرمیاں ان علاقوں میں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ انہوں نے الحاج عمر کی پیش قدمی کو روک دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مشرقی حصوں کا رُخ کیا اور مملکت سیجو اور مسینا کو فتح کیا۔ یہ مملکتیں بت پرست اقتدار کے تحت تھیں اور ان کی عام آبادیاں مسلمان ہو چکی تھیں۔ ان تمام مملکتوں پر مشتمل انہوں نے اسلامی ریاست قائم کی۔ اور بالآخر انہی کوششوں کے نتیجے میں موصوف ۱۸۶۴ء میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے لڑکوں اور بھتیجوں نے کام کو سنبھالا۔ مگر اُن کی باہمی رسہ کشی ملک میں انتشار برپا کرنے کی موجب ہوئی۔ ان کے لڑکے احمدو نے (جو سلطان سکوتو کی بیٹی کے بطن سے تھے) حالات کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی مگر فرانسیسیوں نے اپنے برتر اسلحہ کی مدد سے ۱۸۹۲ء میں احمدو کو شکست دے دی اور فوتا گالون کی مسلم آزاد ریاستوں کا جو ۱۷۲۰ء سے چلی آ رہی تھیں خاتمہ کر دیا۔ احمدو کی شکست کے بعد فرانسیسیوں کو اس پوری سلطنت پر قابض ہونے کا موقع مل گیا۔ اور مینڈنگو کے فرمانروا اسکمری کے ماسوا (جس نے ۱۶ سال تک (۱۸۸۲ء – ۱۸۹۸ء) فرانس کا مقابلہ کیا) کوئی طاقت فرانس کی پیشقدمی کو نہ روک سکی۔

امام الصمد | انیسویں صدی کے دوسرے ثلث میں سنگامبیا کے جنوب میں مانڈگو قبیلہ کے ایک مصلح نے دعوتِ اسلامی کی ایک زبردست تحریک برپا کی (۱۸۴۶ – ۱۹۰۰ء)۔ ان کا نام امام الصمد تھا مگر سَمَدی کے نام سے مشہور تھے۔ اصل میں وہ ایک بُت پرست خوشحال سپاہی تھے۔ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے اور دعوتِ اسلامی کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ کئی بت پرست قبائل اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ انہوں نے سنگامبیا کے جنوب میں بالائی نیجر اور بحرِ اطلانتک کے درمیانی علاقوں میں ایک سلطنت قائم کر دی۔ ۱۸۸۱ء میں امام الصمد کی طاقت

عروج پر تھی۔ انہوں نے فرانسیسیوں کو گنی اور اس کے اطراف کے علاقوں میں بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی لیکن آخرکار ۱۸۹۳ء میں ان کے دارالحکومت بسانڈیگو پر (جو لائبیریا کی سرحد پر واقع تھا)، دشمنوں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ان کی فرانسیسیوں کے ساتھ کئی جنگیں ہوئیں۔ بالآخر ۱۸۹۸ء میں وہ فرانسیسی فوج کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ اور وہ آخری آواز بھی ختم ہو گئی جو مغربی افریقہ میں فرانس کے نفوذ کو روکنے کے لیے اٹھی تھی۔

عمرو کِبا ثانی بیسویں صدی کے اوائل میں ایک مُرابطی نوجوان عمرو کبّا (UMARU KIBBA) نے بمبارا قبائل میں دعوت و تجدید کا کام شروع کیا لیکن ناکام ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے "اخوان" کے نام سے ایک مذہبی جماعت منظم کی جس کا تعلق قادریہ سلسلہ سے تھا اور دوبارہ بمبارا کے بُت پرستوں کو اسلام کی دعوت دی۔ عمرو کی دعوت مسلسل پھیل رہی تھی اور مملکت سینسنڈنگ (SANSANADING) کی ایک پوری بُت پرست بستی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ مگر اس علاقہ کے والی نے دعوت کی مقبولیت کو دیکھ کر عمرو کبا کو ملک بدر کر دیا اور جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے انہیں اپنے قدیم عقائد کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کر دیا۔

افریقہ میں اسلامی علوم اور تہذیب کے مراکز یہ چند کوششیں ہم نے مختصراً بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ صوفیاء کا کام بھی اِس دور میں بڑے وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ سنوسی تحریک، تیجانیہ اور قادریہ حلقے، مہدی سوڈانی کی دعوت اور سینکڑوں صالحین کی جدّوجہد سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ ہم ایک اور پہلو سے بھی مغربی افریقہ کی مسلمان آبادیوں کا تعارف کراتے ہیں۔ مغربی افریقہ میں متعدد ایسے اسلامی مرکز وجود میں آئے ہیں جنہوں نے افریقہ میں اسلامی تہذیب و تمدّن، اور علوم و فنون کی روشنی عام کرنے میں وہ مرتبہ حاصل کیا ہے جو مغرب میں قُرطبہ، اور مشرق میں قاہرہ و بغداد کو حاصل رہا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مغربی افریقہ کے یہ مراکز آج تک مسلمان علماء و محققین کی نگاہ سے اوجھل رہے ہیں۔ ذیل میں ایسے چند ایک علمی مراکز کا اجمالی تعارف ملاحظہ ہو:

گہوارۂ تہذیب و تمدن مغربی افریقہ کا تصوّر کرتے ہی ہمارے ذہن میں جہالت اور تہذیبی پسماندگی

کی تصویر آجاتی ہے۔ یہ تصویر ہمارے دماغ میں استعمار نے پیدا کی ہے۔ مگر جب ہم مغربی افریقہ کی علمی اور ثقافتی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس واضح نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ خطہ نہ صرف یہ کہ تہذیب و تمدن کی روشنی سے بہرہ ور تھا بلکہ خود تہذیب و تمدن اور علم و ثقافت کا علمبردار تھا۔ علم و فن کو بڑی پذیرائی حاصل تھی۔ سر تھامس آرنلڈ کے بیان کے مطابق "مغربی افریقہ میں جو شخص تعلیم مکمل کر لیتا اور دعوت و تدریس کی مسند پر متمکن ہو جاتا اُسے قوم کے اندر بڑی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ مغربی افریقہ کے بعض قبائل میں تو ہر بستی کے اندر علماء اور ادباء اور مرابطین کے استقبال کے لیے مخصوص مکانات بنے ہوتے تھے۔ جن ریاستوں میں قرآن کے احکام نافذ ہوتے تھے وہاں زندگی کے عام مسائل کے بارے میں ان معلّمین کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں تاکہ وہ قرآن کریم کی روشنی میں معاملات کا فیصلہ کریں۔ اس طبقے کا احترام اس درجہ تھا کہ یہ لوگ نہ صرف دوست ممالک میں بلا روک ٹوک گھوم پھر سکتے تھے بلکہ ایسے ممالک میں بھی انھیں نقل و حرکت کی پوری آزادی تھی جن سے جنگ ہوتی تھی"۔

مغربی افریقہ کے علماء قیروان (تونس)، طرابلس (لیبیا)، فاس (مراکش)، اور قاہرہ کے علمی گہواروں سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ان کی اکثریت دعوت و تبلیغ کے لیے وقف ہو جاتی تھی۔

مغربی مصنفین نے اگرچہ افریقہ کو گہوارہ جہل و تاریکی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان کی یہ رائے سراسر مبالغہ پر مبنی ہے۔ افریقہ میں جوں جوں اسلام پھیلتا گیا علم و عرفان اور تہذیب و ثقافت کی شعاعیں اُسے منوّر کرتی گئیں۔ موسیٰ بن نُصَیر نے اَغمات میں جو مساجد تعمیر کروائی تھیں وہ مراکش کے اہم علمی مراکز تھیں۔ اور اس کے بعد وہ سیاہ افریقہ میں تہذیب و معرفت کی روشنی پھیلانے کا مرکز بن گئیں۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں جب فاس شہر کی بنا ڈالی گئی تو اس سے مراکش اور مغربی افریقہ میں تہذیب و علم کے ایک نئے باب کا آغاز ہو گیا۔ یہ شہر ہر سمت کے اہل علم و فکر کا ملجا بن گیا۔ فاس کے مدرسے قیروان اور اندلس کی علمی تحریک سے متاثر تھے اور اس تحریک کو وہ

افریقہ کے دُور دراز علاقوں میں منتقل کرتے رہے۔ اس کے بعد خود مغربی افریقہ میں ایسے علمی مراکز وجود میں آگئے جنہوں نے سیاہ براعظم کی ثقافتی زندگی پر گہرے اثرات ڈالے۔ اوڈ گشت، جنّی، ٹمبکٹو اور کانو وغیرہ ایسے مراکز کا گہوارہ رہے ہیں۔

اُوڈ گشت یہ سیاہ افریقہ کے مغرب میں اسلامی تہذیب کا اہم مرکز شمار ہوتا تھا۔ مشہور اندلسی جغرافیہ دان ابوعبید البکری کے بیان کے مطابق[۱] یہ شہر خطِ استوا کے شمال میں ۱۸ عرض البلد اور ۹ طول البلد کے درمیان واقع تھا۔ سجلماسہ (موجودہ تافیلات) سے ۲۱ دن کی مسافت پر اور گھانا سے ۱۵ دن کے فاصلہ پر تھا۔ تجکہ کے جنوب میں تھا، جو موریطانیہ کا نوجی مقام ہے۔ اودگشت قدیم زمانے میں بلاد صنہاجہ کی تجارتی منڈی تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں جب صنہاجہ نے گھانا کے اکثر حصّوں کو فتح کر لیا تو اودگشت صنہاجی حکمرانوں کا پایۂ تخت بن گیا۔ ۹۶۱ء سے ۹۷۱ء تک اس شہر کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ اس کا حاکم ایک صنہاجی امیر تھا جس کا نام "تین بروتن" تھا اور سیاہ افریقہ (سوڈان۔ نائیجیریا، نیجر وغیرہ) کے بیس بادشاہ اُس کے تابع تھے۔ ۱۰۵۴ء میں دولت مُرابطین کے بانی عبداللہ بن یسین نے اس شہر کو فتح کیا جس سے بت پرست صنہاجیوں کی شوکت کا خاتمہ ہو گیا اور شہر پر اسلام کی عملداری شروع ہو گئی۔

جغرافیہ دان ابوعبید البکری (متوفی ۱۰۹۴ء) کے عہد میں یہ شہر ترقی و عروج کے بام پر تھا۔ اس کے بیان کے مطابق اُس کی آبادی مراکش کے عربوں اور ان کے افریقی حلفاء اور بربر اقوام (بربر کاتیہ، لواتہ، زناتہ، نفوسہ، نِفراوہ) پر مشتمل تھی۔ اودگشت کے چاروں طرف باغات اور نخلستان تھے جگہ جگہ عظیم الشان مسجدیں اور پُر رونق مدرسے تھے۔ پُورا شہر خوبصورت اور بلند و بالا عمارات کی جلوہ گاہ تھا۔ رہائش گاہیں بڑی دلکش اور نظر فریب تھیں۔ بازار آباد اور پُر رونق تھے۔ تجارتی کاروبار خوب ترقی پر تھا۔ اسلامی ممالک کے گوشے گوشے سے اناج اور پھل پہنچ رہے تھے۔ کہربا (ایک خاص قسم کے گوند) کی بڑی مانگ تھی جو بحرِ اطلانتک سے لایا جاتا تھا۔ اودگشت کی صنعتی سرگرمیاں بھی

---

[۱] المسالک والممالک ص ۳۴۹ اور اس سے آگے۔

عروج پر تھیں۔ نہایت اعلیٰ اور نفیس معدنی مصنوعات تیار ہوتی تھیں۔ ریشمی کپڑا جس پر سونے کے تاروں کا نہایت عمدہ کام ہوتا تھا، کثرت سے تیار ہوتا تھا اور سونے کی شکل میں اس کی قیمت ادا کی جاتی تھی[۱]"

جنّی یا دیبنیہ دریائے نیجر کے بالائی حصّے پر دو ایسے شہر تاریخ نے تعمیر کیے ہیں جنہوں نے بعد کی صدیوں میں مغربی افریقہ اور مغربی سوڈان میں اسلام کی ترقی اور عظمت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایک جنّی جو اہم تجارتی مرکز تھا اور دوسرا ٹمبکٹو۔

جنّی کی ۱۱۰۱ء میں تاسیس ہوئی۔ اس وقت مراکش پر مُرابطین کی حکومت قائم تھی۔ جنّی کا بادشاہ کمبرو (KUMBRU) ۱۲۰۰ء میں جب مسلمان ہُوا تو پُورا شہر اسلام کے نغموں سے گونج اٹھا اور عوام جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ کمبرو نے جب اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنی مملکت کے تمام اصحابِ علم اور اربابِ فقہ کو جمع کیا۔ مشہور مورخ عبدالرحمٰن السعدی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد چار ہزار ۲ سو تھی۔ بادشاہ نے قبولِ اسلام کا اعلان کرنے کے بعد علماء سے درخواست کی کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے شہر کا حامی و ناصر ہو[۲]۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنا محل منہدم کرا دیا اور دین کی عظمت و محبت کی بنا پر وہاں عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی[۳]۔ سرتھامس آرنلڈ کے قول کے مطابق اسلام نے بادشاہ کمبرو کے ماتحت شہروں میں حیرت انگیز ترقی کی۔ ابن بطوطہ نے چودھویں صدی عیسوی میں جنّی کا سفر کیا۔ چنانچہ یہ عالمی سیّاح نیگرو قوم کی دینی غیرت و حمیت، عبادت گزاری اور قرآن خوانی کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز میں اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ اگر انسان قبل از وقت مسجد میں اپنی جگہ نہ بنائے تو پھر اُسے نماز کے لیے جگہ نہیں ملتی[۴]۔

ٹمبکٹو ٹمبکٹو جنّی کا ہم عصر شہر ہے۔ اس کی ۱۱۰۰ء میں تاسیس ہوئی۔ اور بروایت عبدالرحمٰن السعدی ٹمبکٹو نہ صرف تجارتی میدان میں شہرت کے آسمان کو چھوتا تھا بلکہ یہ روزِ اوّل سے خالص اسلامی شہر

[۱] المسالک و الممالک ص ۳۴۹ اور اس سے آگے۔ [۲] تاریخ السودان للسعدی ص ۱۲-۱۳

[۳] الدعوۃ الی الاسلام، سرتھامس آرنلڈ ص ۲۶۹-۲۷۰ [۴] ابن بطوطہ ج ۴ ص ۴۲۱-۴۲۲

ہونے کا امتیاز بھی رکھتا تھا۔ نہ پرستشِ اصنام نے اسے ملوث کیا، اور نہ اس کی زمین پر ما سوائے رحمان کے کسی کو سجدہ کیا گیا[1]۔ اسلامی تعلیم اور روحانی تربیت کا مرکز ہونے کے اعتبار سے ٹمبکٹو کو زبردست اہمیت حاصل ہوگئی۔ حکمرانوں اور اصحاب ثروت کی دلچسپی اور سرپرستی کی وجہ سے جویانِ علم اور نامور فقہاء کی جماعتیں ٹمبکٹو میں جمع ہونی شروع ہوگئیں۔ ٹمبکٹو میں اسلامی اور طبیعاتی علوم کی بہت بڑی درسگاہ تھی جس سے جلیل القدر علماء اور مؤرخین نے کسبِ فیض کیا اور پھر افریقہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا جھنڈا بلند کیا۔ مثلاً احمد بابا ٹمبکٹی، نیل الابتہاج کے مؤلف (جو ابن فرحون مالکی کی کتاب الدیباج المُذہّب کا تکملہ سمجھی جاتی ہے) اس مدرسے کے نامور فرزند ہیں۔ احمد بابا ٹمبکٹی نے علمائے مالکیہ پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنے اور اپنے شیخ ابن فرحون کے درمیانی رجال کی تاریخ بیان کی ہے[2]۔

ٹمبکٹو بڑی کامیاب تجارتی منڈی تھی۔ تاجروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ سیاحوں کی جماعتیں وارد ہوتی رہتی تھیں۔ مراکش کے ساحل اور طرابلس سے تجارتی قافلے آتے تھے۔ مصر، غدامس، فاس اور سوس وغیرہ کی تجارتی منڈیوں سے اس کا ربط تھا۔ ٹمبکٹو کی عمارات بڑی عالیشان اور خوبصورت تھیں جن کے ارد گرد اونچی دیواریں بنی ہوئی تھیں۔ حسن بن محمد الوزان نے جو "لیو افریقی" (LEO AFRICANIS) کے نام سے مشہور تھے، لکھا ہے:

"ٹمبکٹو تاجروں اور صنعت کاروں کی دکانوں سے بھرا ہوا ہے۔ خاص طور پر سوتی کپڑے اور یورپی کپڑے کے انباروں سے اسٹور اَٹے ہوئے ہیں، جسے مراکشی سوداگر یہاں لا کر فروخت کرتے ہیں۔ شہر میں ایک عظیم الشان مسجد ہے جو پتھر سے بنائی گئی ہے اور جسے غرناطہ کے انجینئر اسحاق الساحلی نے تعمیر کیا ہے۔ اسی انجینئر نے بادشاہ کا محل بھی تعمیر کیا ہے جو فنِ تعمیر کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔ سرکاری خزانہ دولت اور سونے کی سلاخوں سے بھرپور ہے۔ ایک ایک سلاخ کا وزن ۴۰۰ کیلوگرام ہے۔ سونے، مور پھل اور ہاتھی کے دانت

[1] تاریخ السودان ص ۲۱ - [2] جب مراکشی فوج نے ٹمبکٹو پر چڑھائی کی تو وہ احمد بابا کو گرفتار کر کے مراکش لے

کی تجارت میں ٹمبکٹو کو خاص شہرت حاصل ہے "

"ٹمبکٹو کی عورتیں چہروں پر نقاب ڈالتی ہیں۔ البتہ کنیزیں جو ہر قسم کی کھانے کی اشیاء فروخت کرتی ہیں چہرہ ننگا رکھتی ہیں۔ ٹمبکٹو کے باشندوں نے دولت سے بہرہ وافر پایا ہے۔ ٹمبکٹو کے گورنر عمر بن محمد الندی نے، جو سنگھائی کے بادشاہ کی طرف سے یہاں مقرر کیا گیا ہے اپنی دو بیٹیاں ٹمبکٹو کے دو تاجروں سے بیاہی ہیں۔ یہ دونوں تاجر سگے بھائی ہیں اور بڑے مالدار ہیں۔ ٹمبکٹو میں میٹھے پانی کے کنوؤں کی بہتات ہے۔ دریائے نیجر سے نکلی ہوئی نہریں اور نالیاں بھی ٹمبکٹو کو سیراب کرتی ہیں۔ اناج اور مواشی کی کثرت ہے۔ شہر میں تازہ دودھ اور مکھن کی بھاری مقدار صرف ہوتی ہے۔ البتہ نمک بہت گراں ہے اور کمیاب۔ کیونکہ یہ ٹمبکٹو سے ۵ سو میل کے فاصلہ پر تغزہ نامی جگہ سے آتا ہے"

"بادشاہ نے یہودیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے، کیونکہ وہ حالات کو خراب کرتے ہیں۔ ملک میں ایک بھی یہودی نہیں رہا۔ ایک مرتبہ اُسے یہ شکایت پہنچی کہ ایک مسلمان تاجر کے تعلقات کسی یہودی کے ساتھ ہیں، بادشاہ نے اس تاجر کی جائداد ضبط کر لی"

"ٹمبکٹو میں اربابِ قضا، اطبا اور مبلغین کی کثیر تعداد رہتی ہے۔ یہ لوگ باقاعدہ سرکاری فرمان کے ذریعہ مقرر کیے جاتے ہیں۔ بادشاہ علماء اور ادباء کا بہت احترام کرتا ہے۔ اُسے مخطوطات خریدنے کا بڑا شوق ہے خواہ کسی قیمت پر خریدنے پڑیں۔ یہ چیز اُس کی علم دوستی اور ادب نوازی کی دلیل ہے"

ٹمبکٹو پر ۱۳۲۶ء سے ۱۴۳۳ء تک مالی مملکت کی حکومت رہی۔ پھر صحرائی بربر قابض ہوئے اور چالیس سال رہے۔ ان کے بعد سنّی سلاطین نے حکومت کی۔ ۱۵۰۰ء تک یہ شہر مراکشی فرمانرواؤں

---

* گئی۔ جہاں موصوف ۹۳ھ تک رہے اور پھر واپس ٹمبکٹو آگئے۔ ۱۶۲۶ء میں ان کا ٹمبکٹو میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، مادہ ٹمبکٹو۔ ترتیب: GARRA DE VAUX

کے زیرِ اقتدار تھا۔ ۱۸۲۷ء میں سوڈان کے غُلبہ قبیلہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور فرانسیسیوں کے استیلاء تک ان کا قبضہ رہا۔ ۱۸۹۳ء سے یہ خالص اسلامی شہر فرانسیسی مقبوضات میں شمار ہونے لگا اور اس کی ساری عظمت خاک میں مل گئی۔ یورپی اقوام نے سب سے پہلے پندرھویں صدی میں ٹمبکٹو سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اٹلی اور فلورنس کے ساتھ تونس اور طرابلس کے راستے سے ٹمبکٹو کے تعلقات تھے۔ یہاں سے چار بڑی شاہراہیں نکلتی ہیں۔ ایک مصر کی طرف جو کانم اور گو اسے گزرتی تھی۔ دوسری تونس کی طرف جو بجار سے گزرتی تھی۔ تیسری مراکش کی طرف جو سجلماسہ تافیلات اور توورت سے گزرتی تھی۔ اور چوتھی سوڈان کی جانب، جو مالی سے گزرتی تھی۔ سولھویں صدی کے بعد ٹمبکٹو سے یورپ کے تعلقات ختم ہو گئے۔ اور بالآخر فرانس نے اس پر قبضہ کر کے "تعلقات" کو بحال کیا۔ پرانا شہر بھی موجودہ شہر کے جنوب میں دس میل کے فاصلے پر کھنڈرات کے اندر مدفون ہے۔ دریائے نیجر اب اُسے سیراب نہیں کرتا۔ البتہ نمک لانے والے قافلے اب بھی رواں دواں ہیں۔

کانو مغربی افریقہ کے اسلامی مراکز میں سے ایک کانو ہے جو شمالی نائیجیریا کا اہم شہر ہے۔ یہاں ہوسا قبائل آباد چلے آرہے ہیں۔ ان قبائل کی سات مملکتیں تھیں، کانو، رانو، زاریا، دورا، گوبیر، کٹسینا، زمفارا۔ یہ مملکتیں مدتوں قائم رہیں۔ ان کے دوام کا سبب یہ تھا کہ ہوسا قوم فطرتاً تجارت پسند ہے اور جنگ و جدال سے پرہیز کرتی ہے۔ ہوسا زبان آج تک پورے مغربی افریقہ میں رائج ہے۔ بلکہ ہماری اُردو کی طرح یہ وہاں کی "لنگوا فرانکا" ہے۔ فرانسس مور نے ۱۷۳۱ء میں ہوسا قبائل کے مساکن دیکھے ہیں اور لکھا ہے:

"یہ قبائل دریائے گمبیا کے کنارے بستے ہیں، عربوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اکثریت عربی بولتی ہے۔ عربی ان کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ ان کی عوامی زبان کو "فولی" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ گندم اور روئی کاشت کرتے ہیں۔ یہ دونوں جنسیں ضرورت سے زائد پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لوگ انہیں مناسب نرخوں پر فروخت کرتے ہیں۔ سخاوت اور داد و دہش میں مشہور ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتے کہ ان کے قبیلہ کا کوئی شخص

غلام بنا لیا گیا ہے تو اُسے مل جُل کر آزاد کروا لیتے ہیں"۔

لیو افریقی نے لکھا ہے:

"کانو دریائے نیجر سے ۵ سو میل دُور ہے۔ کانو میں زیادہ تر صنعت پیشہ لوگ بستے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ترقی یافتہ ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں تاجروں کی بھی بھاری اکثریت ہے اور وہ بڑے غنی ہیں۔ ماضی میں کانو ایک عظیم ریاست سے عبارت تھا۔ یہاں کے باشندوں کا شغلہ کاشت کاری کے جانوروں اور گائے کی پرورش اور کھیتی باڑی تھا۔ کانو میں اسلامی علوم کی تدریس کے اَن گنت مدرسے ہیں جن میں حفّاظ اور عربی دان مدرسین پڑھاتے ہیں۔ شمالی نائیجیریا کے ہر شہر میں کئی مدرسے ہیں جو فقہاء کی نگرانی میں چلتے ہیں۔ فقہاء کو یہاں مالم (معلّم کا محرّف) کہا جاتا ہے۔ بچوں کو اوائل عمر میں مدرسہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات انہیں مزید تعلیم کے لیے دُور دراز شہروں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ کانو کے معلّمین تنخواہ خوری کے بجائے تجارت کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی تعلیم خالص اسلامی جذبے پر مبنی ہے۔ یہاں ایسے مدرسے بھی ہیں جن کے اوقات تعلیم سورج نکلنے سے پہلے ایک گھنٹہ اور سورج غروب ہونے کے بعد ایک گھنٹہ ہوتے ہیں، تاکہ جو بچے یہاں پڑھیں وہ دن کو کام کاج میں والدین کا ہاتھ بٹائیں۔ مدارس کا نصاب تعلیم ایک ہی ہے۔ فرائض (احکام وراثت) کی تعلیم اور قرآن کے حفظ و ناظرہ کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے۔ قرآن کی تفسیر بھی پڑھائی جاتی ہے۔ عربی زبان میں بھی اور مقامی زبان میں بھی۔ اونچی جماعتوں کے طلبہ حدیث، فقہ اور توحید کی کتابیں پڑھتے ہیں"۔

ہم عصر اہلِ علم و فضل کے ساتھ سلطان کانو کے تعلقات تھے۔ صاحب البُستان نے علماءِ تلمسان کے ذکر میں لکھا ہے کہ سلطان کانو نے نویں صدی ہجری کے مشہور عالم شیخ محمد بن عبدالکریم المغیلی کے نام ایک خط لکھا جس میں شیخ موصوف سے یہ دریافت کیا کہ حاکم وقت لوگوں کو حرام

کاموں سے باز رکھنے کے لیے کس حد تک اختیارات کا استعمال کرسکتا ہے اور وہ حرام کام کیا ہیں جن کے ارتکاب پر نکیر ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں شیخ المغیلی نے طویل خط لکھا جس میں تمام دینی و اجتماعی اور سیاسی منکرات کی تفصیل بیان کی گئی اور بتایا گیا کہ حاکم کو ان کی بیخ کنی کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہییں۔ نویں صدی ہجری کے مجدد حافظ سیوطی نے بھی شمالی نائیجیریا کا سفر کیا ہے اور وہاں ایک مدت تک قیام کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے سلطان تکرور کو آداب جہانبانی کے موضوع پر مفصل خط تحریر کیا تھا۔ حسن المحاضرۃ میں حافظ سیوطی نے اپنے سفر تکرور (نائیجیریا) کا ذکر کیا ہے۔

شمالی نائیجیریا کے دوسرے شہر زاریا (ZARIA) اور کٹسینا (KATSENA) بھی علم و دانش کے مرکز تھے۔ زاریا میں قضاۃ کی تعلیم و تربیت کے کئی ادارے تھے۔ اناج اور پھلوں کی کاشت بڑی ترقی پر تھی۔ اسی طرح کٹسینا جو کانو کے شمال مشرق میں کانو سے ۱۶۰ میل کے فاصلہ پر تھا، خاص اسلامی شہر تھا۔ وہاں کی صنعت و حرفت اور تعلیم و معاشرت ہر چیز اسلامی نظریہ کی عکاس تھی۔

ے مشہور نائیجیری عالم آدم عبداللہ الوری نے اپنی کتاب "الاسلام فی نائیجیریا" میں اس خط کا پورا متن نقل کیا ہے